

FREGA MEETS SUNDAR



FERDINANDO FREGA

فریگا کی سندر سے ملاقات

THE COMPANY · 11

ریجیو کلابریا سے چنئی تک، سندر پچائی کے نقش قدم پر۔

جب میں نے پہلی بار یہ نام سنا تو سنجیدگی سے سوچا کہ آخر یہ سالہا کون۔ ہر کوئی اُس کی باتیں کر رہا تھا۔ اُس نے تقریباً یسوع ناصری کی جگہ لے لی تھی — بس فرق یہ تھا کہ وہ 2000 برس کا نہیں تھا۔ وہ صرف 54 برس کا تھا، اور اُس شاندار سرزمین سے آیا تھا جسے ہندوستان کہتے ہیں۔

دنیا کی واحد جگہ جہاں تم سانس تو انگریزی ہوا میں لیتے ہو مگر جیتے ایشیائی ثقافت اور نفاست کے ساتھ ہو، 22 زبانوں کے ایک آمیزے کے اندر، جہاں تقریباً ڈیڑھ ارب لوگ مستقل رہتے ہیں۔

مگر اپنی کہانی کی طرف واپس آتے ہیں: یہ نام ALPHABET نامی ایک کمپنی سے جڑا ہوا تھا۔ مجھے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ کون ہیں۔ میں سمجھا کہ یہ دنیا کے ان پڑھ لوگوں کے لیے بنایا گیا کوئی کنسورشیم ہے، اُن لوگوں کے لیے جنہیں کبھی لکھنا پڑھنا سیکھنے کی خوش نصیبی نہیں ملی۔ پھر مجھے احساس ہوا کہ میں پوری طرح غلط بھی نہیں تھا، کیونکہ وہ ٹھیک یہی کام کرتی تھی — بس تحریریں، پڑھنا اور ادب ویب کے اندر بستے تھے، جو دو کوڈ استعمال کرتا تھا: انسانی اعشاری اور الگورتھمی ثنائی۔

مجھے اُس آدمی کو سمجھنے کا تجسس تھا، اس لیے کپلنگ کی طرح میں نے ٹرین پکڑی اور ریجیو کلابریا سے بمبئی تک سفر کیا، جسے آج ممبئی کہتے ہیں۔

میری منزل واضح تھی۔ وہ چنئی میں میرا انتظار کر رہے تھے، جنوبی ہندوستان کی ریاست تمل ناڈو میں، جہاں لاج کے بھائی میری میزبانی کرنے والے تھے۔ سب جانتے تھے — گرینڈ لاج آف انگلینڈ سے لے کر نیچے تک — کہ بھائی فریگا ماہانہ 70 امریکی ڈالر پر گزارا کرتا ہے اور کسی سے کچھ مانگنے کا عادی نہیں۔

اور یوں میں آخرکار وہاں پہنچ گیا۔ وہ میرے منتظر تھے اور مجھے اپنے گھر لے گئے، مگر میں نے انکار کر دیا اور اس کے بجائے ایک کمرہ کرائے پر لینے کی کوشش کی۔ تین دن کا قیام میری مالی حیثیت کے اندر تھا اور میرے بجٹ میں سماتا تھا۔

علاقے سے مانوس ہونے کے لیے میرے پاس بس چند گھنٹے تھے کہ ریگوناتھا مجھے لینے آ پہنچے۔ ہم کہاں جا رہے تھے؟

انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی مدراس۔

جیسے ہی ہم پہنچے، یونیورسٹی کے پہلے دروازے سے بمشکل اندر قدم رکھا تھا کہ میں نے ایک تختی دیکھی جو مجھ پر بجلی بن کر گری۔ سنسکرت میں اُن کے شعار کا ترجمہ تھا:

کامیابی عمل سے آتی ہے۔

دو پروفیسروں نے، جو فری میسن بھائی تھے، ہمارا استقبال کیا، اور میں نے فوراً اُن سے سندر کے بارے میں پوچھنا شروع کر دیا۔ مجھے یقین تھا کہ اُس نے مدراس میں پڑھا تھا، اُن دنوں جب یہ ابھی اسسٹنٹ تھے۔

پروفیسروں نے مانا کہ وہ جانتے ہیں وہ کون ہے، حالانکہ درحقیقت اُس نے کھڑگپور میں پڑھا تھا۔ مگر یہاں، اُنہوں نے کہا، ہم سب اُسے اپنوں میں سے ایک سمجھتے ہیں۔

سب سے پہلے اُنہوں نے سمجھایا کہ ہم کہاں ہیں۔ یہ بوسٹن کا کوئی عام سا یونیورسٹی کیمپس نہیں تھا۔ ہم کسی ناقابل یقین چیز کے اندر تھے: آئی آئی ٹی مدراس کے پاس IBM Virgo Super Cluster کے ذریعے سپر کمپیوٹنگ کی صلاحیت بھی تھی، جو 97 ٹیرافلاپس کی حسابی طاقت فراہم کرتا تھا۔

اس کا مطلب آخر کیا بلا تھا، مجھے کچھ اندازہ نہیں تھا۔ مجھے کمپیوٹروں کی خاک سمجھ نہیں آتی، مگر میں نے سر ہلا دیا کیونکہ اُن کے لہجے سے میں سمجھ گیا کہ بات اہم ہے۔ اور میرے وہاں ہونے کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔

رسمی کارروائی کے بعد ہم وہاں سے نکلے، اور ریگوناتھا نے مجھ سے کہا کہ اُن کے پاس میرے لیے ایک سرپرائز ہے۔ میں نے کہا، ”امید ہے عورتیں نہیں ہوں

گی۔ میں 61 برس کا ہوں اور اب جوان نہیں رہا۔ آج کل عورتیں میری گفتگو کی پسندیدہ ترین صورت ہیں، کیونکہ میں اُن کی جدت طرازی اور ذہانت سے فیض لیتا ہوں اور دونوں سے اپنی غذا پاتا ہوں۔

اُنہوں نے کہا کہ ہم ایک خاتون سے ملنے جا رہے ہیں۔ ”مگر بے فکر رہو، نینڈو، اس میں سیکس کا کوئی چکر نہیں۔ لگتا ہے وہ اُس شخص کو بہت اچھی طرح جانتی ہیں جس کی تم کھوج لگا رہے ہو، اور تم دیکھو گے کہ وہ تمہیں مایوس نہیں کریں گی۔“

”اور ویسے بھی، تم جانتے ہو کہ فری میسن ہونے سے پہلے ہم اچھے کردار کے آزاد آدمی ہیں!“

”ہاں، مگر براہ کرم کپڑے پہنے ہی رہیں۔“ بابا بابا ہا۔

ہم اُن کے گھر کے پھاٹک سے اندر داخل ہوئے۔ ایک نوجوان عورت نے ہمارا استقبال کیا۔ وہ کوئی 25 برس کی ہو گی، مگر مجھے نہیں لگا کہ وہ سنדר کی بیٹی ہے — اور واقعی، وہ اُس خاتون کی بھانجی تھی جو ہماری منتظر تھیں۔

اُس نے ہمارا خیر مقدم کیا اور ہمیں اپنے صوفے پر بٹھایا۔ اُس نے ہمیں وہ چائے پیش کی جس سے بچا نہیں جا سکتا، مگر ایک سچے کلابریائی کی طرح میں نے پوچھا کہ ہم کھانا کب کھائیں گے۔ میں دو دن سے پانی پر گزارا کر رہا تھا، اور میرا معدہ پہلے ہی پڑتال پر تھا۔ اُسے ابھی تک یہ سمجھ نہیں آئی تھی کہ ہم اٹلی میں نہیں ہیں۔

خاتون نے اپنا تعارف رادھا کے نام سے کرایا اور فوراً مجھ سے سیدھے سوال کرنے لگیں، یہ پہلے سے جانتے ہوئے کہ میں کون ہوں۔

میں ریگوناتھا کی طرف جھکا اور سرگوشی کی، ”رادھا، وہ Zoho والی؟“

اور اُنہوں نے چہرے کا تاثر بدلے بغیر کہا، ”نہیں، وہ والی کم عمر ہے۔ یہ زیادہ دانا ہیں۔“

اُنہوں نے بتایا کہ gillettenarrative.com پر THE WILKINSON SAGA پڑھ کر اُنہیں بہت مزہ آیا تھا۔ شاید اُنہوں نے اسے 20 بار پڑھا تھا اور کچھ حصوں میں اپنے آپ کو پہچانا تھا — خالہ کے کردار میں۔ پھر 90 برس کی ہونے کے

باوجود، ایک بے پناہ نسوانی دلکشی کے ساتھ، اُنہوں نے مجھ سے پوچھا کہ کیا اس میں سب کچھ سچ ہے۔

میں نے ایک سادہ سے مذاق سے جواب دیا: سچ اور جھوٹ زندگی کے دو الگورتھم ہیں، اور اُن کے درمیان بیانیہ ہے، جو اُس ایک شخص کا بصری اظہار رہتا ہے جو اسے لکھتا ہے۔

وہ مسکرائیں، مگر حیران نہیں ہوئیں۔ اُنہوں نے مجھ سے کہا کہ یہی واحد جواب تھا جو میں دے سکتا تھا۔ اس نے کہے بغیر ظاہر کر دیا کہ میں کون ہوں۔ اسی لیے وہ مجھے سندر کے بارے میں معلومات دیں گی۔

جب وہ چھوٹا تھا تو ہر وقت سو صفر بناتا رہتا تھا، اور کوئی نہیں سمجھتا تھا کیوں۔ ایک دن اُس نے اُن کے آگے ایک 1 لگا دیا۔ ہم سمجھے کہ یہ اُس کے مستقبل کے بینک اکاؤنٹ کی تصویر ہے۔ تیس برس بعد وہ ٹھیک اسی نام کی ایک کمپنی میں کام کر رہا تھا: Google، googol، یعنی 1 جس کے بعد 100 صفر ہوں۔

سب ہمیشہ اس عیب کا الزام اُس کی ماں کے سٹینوگرافر کے کام پر ڈالنے کو تیار رہتے تھے۔ مگر ہم تو ابھی ابتدا میں تھے، اور آج ہم سمجھتے ہیں کہ جس عیب کے ساتھ وہ پیدا ہوا تھا، وہ کمال کے سوا کچھ نہ نکلا۔

ہم نے ایک معتبر ذریعے سے سنا کہ ایک دن، ہمیشہ کی طرح متجسس، اُس کی ماں نے اپنے بیٹے سے پوچھا کہ بینک اُسے 12 صفروں والا بیلنس کیسے بھیج پاتا ہے۔ اُس نے جواب دیا، ”وہ ہندسے ہاتھ سے شکستہ میں لکھتے ہیں۔ جگہ کافی نہیں ہوتی۔“

میں نے غور کیا کہ ان قصوں کے دوران وہ خاتون اور میرے ہمراہ آئے بھائی — جو خود بھی ایک عمر رسیدہ آدمی تھے — اکثر معنی خیز نظروں کا تبادلہ کرتے رہے۔ مگر میری توجہ صرف اپنے کام پر تھی اور میں اُن کا ضابطہ روپہ سمجھنے کو نہ رکا۔

رادھا نے مجھے بتایا کہ سندر ہمیشہ سے ہر دل عزیز رہا تھا اور عورتیں اکثر اُس کی نفاست، ذہانت اور دلکشی کی وجہ سے اُس کے ساتھ رہتی تھیں۔ تقریباً میری ہی تصویر، اگر ہماری جیبوں کا فرق نہ ہوتا۔

جب موقع آیا تو میں نے 65 ملکوں میں اپنے 40 برس کے سفر کے چند قصے سنائے: ایک زندگی کی کہانیاں، لطیفے اور مہمات۔ خاتون اتنی محو دکھائی دیں کہ اُنہوں نے ہمیں رات کے کھانے کی دعوت دے دی۔ مگر میں نے شائستگی سے فیصلہ کیا کہ اسے قبول کرنا مناسب نہیں۔ میں ابھی تیار نہیں تھا۔

جب ہم رخصت ہو رہے تھے تو اُنہوں نے مجھے کاغذ کی ایک چھوٹی سی پرچی دی اور کہا، ”نینڈو، جب جی چاہے مجھے لکھنا۔ تمہارے خط مجھے بڑی خوشی دیتے ہیں۔ اور تم مجھے خالہ کہہ سکتے ہو — مجھے فخر ہو گا۔“

ریگوناتھا پاگلوں کی طرح ہنس رہے تھے، اور مجھے سمجھ نہیں آ رہا تھا کیوں۔ اُنہوں نے کہا کہ کم از کم 30 برس ہو گئے تھے کہ وہ ایسی صورتِ حال میں پہنچے ہوں۔ میں نے اُن سے کہا کہ مجھے ہوٹل واپس چھوڑ دیں، مگر پہلے میرا تجسس اتنا تھا کہ میں نے اُن سے پوچھ ہی لیا:

”معاف کرنا، مگر تمہاری بیوی کیا کام کرتی تھیں؟“

بغیر سوچے اُنہوں نے جواب دیا، ”وہ سٹینوگرافر تھیں۔“

میں پھٹنے ہی والا تھا، مگر میں نے خود کو روک لیا۔ تب میں نے اُن سے کہا کہ مجھے ہوٹل کے قریب اتار دیں۔ کھانے کی کوئی جگہ میں خود ڈھونڈ لوں گا، اور اگلے دن روانہ ہو جاؤں گا۔

اُنہوں نے پوچھا کہ کیا مجھے کچھ اور چاہیے، اور میں نے اُنہیں دعوت دی کہ جب بھی موقع ملے، کلابریا میں میرے گھر آئیں۔ اُن کی میزبانی کر کے مجھے بڑی خوشی ہو گی — اُنہیں دکھاؤں گا کہ ہم کلابریائی دنیا میں کہیں بھی ہوں، کیا کچھ اچھی طرح کرنا جانتے ہیں۔

مگر اس کہانی کے کردار دراصل کون تھے؟

حقیقی لوگ۔ میں نے کبھی اُن سے نہیں پوچھا کہ وہ کہاں سے آئے ہیں۔ میں نے بس اُن کی موجودگی کو قبول کر لیا، کیونکہ 61 برس سے میں یہی کرتا آ رہا ہوں — اور مجھے یقین ہے کہ دنیا مجھے نہیں بھولے گی۔

اور اُس ہندوستانی خاتون کی چھوٹی سی پرچی کے اندر مجھے ایک پیغام ملا جس میں لکھا تھا: ”جب جی چاہے میرے پاس لوٹ آنا۔ تمہارا ہمیشہ

خیر مقدم ہے۔" نیچے اُن کا پتا تھا۔

اگلے دن میں اسٹیشن لوٹ آیا۔ ٹرین جیسے چلنا ہی نہیں چاہتی تھی، مگر مجھے معلوم نہ تھا کیوں۔ شاید وہ میرا انتظار کر رہی تھی۔ یا شاید وہ سمجھ گئی تھی کہ MY AFRICA کے بعد ایک کلابریائی کا MY INDIA بھی ہو سکتا ہے۔

فرڈیننڈو فریگا
BLADEFREGA · نینڈو کاتب